پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی
ذاتی حوالوں سے

۱۶ مئی کو اردو ادب کے ایک استاد بلکہ استادوں کے استاد، ایک نامور ادیب و نقاد اور ممتاز ماہر لسانیات ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی رحلت فرما گئے۔ معاشرہ ایک متدین مسلمان، ایک مرد بزرگ، ایک شفیق استاد سے محروم ہو گیا۔

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی اپنے فضل و کمال کے ساتھ اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی ایک عظیم انسان تھے جو برعظیم میں قدیم مشرقی تہذیب کے ایسے نمائندے تھے جن کی تعداد کم ہوتے ہوتے بہت گھٹ گئی ہے۔

بڑھاپے کے مرحلے میں داخل ہوتے ہی ذیابیطس، ضعفِ قلب، ضعفِ اعصاب جیسے امراض اور عوارض کے جال میں پھنس گئے تھے اور صحت مسلسل گرتی جا رہی تھی، اس لیے ان کی وفات اگرچہ ناگہانی نہیں ہے اور وہ بہت دن سے آمادۂ سفر نظر آ رہے تھے مگر پھر بھی ان کی جدائی ہم جیسے ہزاروں نیاز مندوں کے لیے ایک رنج و حادثہ ہے۔ خصوصاً میرے لیے تو یہ حادثہ ناقابلِ تحمل محسوس ہو رہا ہے اور ان کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔

جگر مراد آبادی کے لیے ''کاشانۂ اصغر'' اور میرے لیے اُن کا گھر ''حریم خس معنی'' تھا۔ ان سے مل کر، ان کو دیکھ کر دل کو یہ محسوس ہوتا تھا جیسے گھپ اندھیرے میں کسی نے شمع روشن کر دی۔ جب تک وہ جامعہ نگر میں رہے یا پھر شہر میں منتقل ہو گئے تو جلد جلد حاضری ہوتی تھی، مگر جب سے وہ مجبوراً بیرونِ شہر منتقل ہوئے تھے تو حاضری کے وقفے بڑھ گئے تھے مگر فون سے رابطہ برابر رہتا تھا۔ ہفتے میں کم سے کم ایک بار تو ضرور فون پر بات ہو جاتی تھی مگر ہفتہ سے زیادہ وقفہ ہوتے ہی ان کا فون آ جاتا، فرماتے کہ بہت دن سے تمہاری آواز نہیں سنی تھی۔ وہ مجھ سے عمر میں چھ سات سال چھوٹے تھے مگر الحمدللہ میں نے کبھی عمر کو معیار بزرگی نہیں سمجھا۔ ہمیشہ علم و کردار کو معیار سمجھا اس لیے میں ان کو بڑا بھائی سمجھتا رہا مگر وہ مجھ سے بڑے بھائی کی طرح معاملہ فرماتے رہے اور یہ ان کے خاندانی ماحول کا ثمر بھی تھا اور انہیں حسن خلق کا جو جوہر ودیعت ہوا تھا اس کا مظہر تھا۔ ہمارا تعارف ۱۹۶۴ء میں ہوا، میں نے ''سیرت فریدیہ'' کے مقدمے میں سرسید مرحوم کے سیاسی کردار پر جس انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا وہ بہت سے اہلِ علم

کو ناگوار گزرا، ایک نوعمر اہل قلم نے جوشِ غضب میں یہ بھی لکھ دیا کہ حکیم صاحب کو اپنے دماغ کا علاج کروانا چاہیے۔ کشفی صاحب نے روزنامہ ''انجام'' میں جب یہ تبصرہ پڑھا تو وہ کتاب حاصل کی اور پڑھ کر میری جرأتِ اظہار کی تحسین فرمائی۔ یوں ہم باہم متعارف ہوئے۔

مرحوم ایک دینی و روحانی گھرانے میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے تھے، اس لیے ان کے کردار میں دین کا رنگ ابتداء ہی سے نمایاں تھا۔ وہ شعراء اور ترقی پسند ادیبوں کے حلقے میں ''مسلمان'' مشہور تھے مگر وہ نہ کبھی اپنے اسلام سے شرمائے نہ اپنی پاکستانیت سے، نہ اپنی مشرقیت سے، نہ اپنی قدامت پرستی سے۔ وہ اپنے احباب کی روشن خیالی سے نہ صرف قطعاً متاثر نہیں ہوئے بلکہ ہر محاذ پر جہاد سے بھی غافل نہیں رہے۔

جامعہ کراچی نے ساٹھ سال ہوتے ہی ان کو فارغ کر دیا مگر وہ افادہ اور تدریس سے کبھی فارغ نہیں ہوئے، ہمیشہ ان کا گھر درس گاہ بنا رہا اور خردوں کی رہبری سے کبھی غافل نہیں رہے۔

وہ اردو ادب کے استاد تھے مگر اب تو برسوں سے ان کا موضوع فکر و تحریر دینی موضوعات خصوصاً تفسیر اور حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تھے۔ انہوں نے ایک مشہور ضخیم تفسیر پر مصنف کی خواہش پر نظرِ ثانی فرمائی تھی۔ حضورؐ کی سیرت سے تو انہیں خصوصی شغف تھا، سیرت پر ان کے کئی مقالات شائع ہو چکے ہیں اور کئی مستقل کتابیں بھی ان کی وسعتِ نگاہ اور موضوع پر عبور کی مظہر ہیں۔ سیرت پر ان کی تحریر و نگارش کا سلسلہ ضعف و نقاہت کے باوجود آخر تک جاری رہا۔ میری آرزو تھی کہ میری نماز جنازہ وہ پڑھائیں مگر مجھے ان کی نماز جنازہ پڑھنی پڑی۔

ذہین اور بھولے

اپنے حبیب لبیب کشفی صاحب پر مجھے تفصیل سے لکھنے کا شوق بھی ہے اور فرض بھی مگر اس وقت اختصار میری مجبوری ہے۔

محترم کشفی صاحب بہت سی صفات خسروانہ کے حامل ہیں، ان میں سے کئی صفات ان کے اصلاً عربی اور نسلاً فاطمی ہونے کی بنا پر انہیں ودیعت ہوئی ہیں۔ وہ عربوں کی طرح مہمان نواز، کشادہ دل، کشادہ دست، عالی ظرف اور قوی النظر ہیں۔ فاطمی ہونے کی ہی بنا پر وہ فطانت و فراست سے نوازے گئے ہیں اور فاطمیوں ہی کی طرح غیر معمولی فطین و ذکی و ذہین ہونے کے ساتھ بھولے بھی ہیں۔ جناب فاطمہؓ کی (اُن پر اور اُن کے بابا پر ہزاروں سلام) صحیح النسب اولاد میں یہ بات لازماً پائی گئی ہے کہ ذہین ہونے کے ساتھ بھولے بھی ہوتے ہیں اور کشفی صاحب میں دونوں باتیں پوری شان سے پائی جاتی ہیں۔ بہت ذہین بھی، بڑے بھولے بھی، سادہ دل، نیک دل، آئینہ دل معصوم بچوں کے جیسا معصوم۔

ان کی ایک ادا کا ذکر ضروری ہے۔ ''ادا'' اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے اس پر پیار آتا ہے اور خوب آتا ہے۔ ان کے جلال کی بھی ایسی ہی شان ہے۔ آئے گا تو آتش فشاں کی طرح مگر صرف ایک معذرت کا سامنا نہیں کرے گا

اور سرد ہو جائے گا۔

ان کی زندگی کا ایک قابل رشک پہلو یہ ہے کہ عائلی زندگی کے باب میں بڑے خوش نصیب واقع ہوئے ہیں ورنہ اکثر ارباب کمال اور دانش مندوں (مجھے دانش ور کے مقابلے میں یہی ایرانی اصطلاح پسند ہے) کی حیات کا یہ گوشہ بڑا قابل رحم ہوتا ہے۔ کشفی صاحب کی پہلی بیگم طاہرہ مرحومہ تھیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا لیکن کشفی صاحب کے قلب کا ایک گوشہ انہوں نے اب تک آباد کر رکھا ہے اور شاید ہمیشہ رہے۔ عالی مقام نانا کا نواسہ اپنی خدیجہ کو کبھی نہیں بھلا سکتا۔ (دونوں پہ لاکھوں سلام)۔ بہر حال کشفی صاحب کا بیان ہے کہ وہ معیاری شریک حیات تھیں اور عاکف میاں کا اجلا کردار اعلان کر رہا ہے کہ وہ ماہر تربیت کار تھیں۔

کشفی صاحب کی موجودہ رفیقۂ حیات بلقیس شاہین جو مختلف جہات سے ایک مکمل اور معیاری شریک حیات ہیں۔ تعلیم اعلیٰ، شوق ادب، ستھرا کردار، مطالعہ وسیع، انداز نگارش کشفی صاحب سے زیادہ شگفتہ۔ ان کے کردار کا ایک روشن تابناک پہلو یہ ہے کہ وہ کشفی جیسے حساس، نازک مزاج شوہر کی مزاج شناس تھیں، مزاج شناس تو پہلے ہوں گی، اب تو وہ کشفی صاحب پر حاوی ہیں۔ ہم سفر، ہم ندا، ہم قدم۔ ایک بار جاپان کا علمی سفر ساتھ کیا اور مکہ مدینہ کے دو پھیرے ساتھ ساتھ کیے، خدا دونوں کو سلامت رکھے۔

☆